سیالکوٹ میں اُردو شاعری کا ارتقا

(۱۹۴۷ء تا ۲۰۱۰ء)

نصیر احمد اسد☆

Naseer Ahmad Asad

ڈاکٹر یار محمد گوندل☆☆

Dr. Yar Muhammad Gondal

Abstract:

Sialkoti soil has been exceptionally fertilized land which has produced many history making men.Sialkot has rendered valuable services in the fields of literature and art. From the mid 19th century to the end 20th century, it has been the centre for literature.The poets of sialkot have enlivened traditions of persian and urdu poetry.The researcher has conducted a critical research paper on the big poetic names of sialkot from (1947 to 2010)

سیالکوٹ ایک تاریخی اور ادبی خطہ رہا ہے۔ اس کی تاریخ پانچ ہزار سال پر محیط ہے۔ یہ خطہ جغرافیائی لحاظ سے اس مقام پر واقع ہے جہاں کئی آبی گذرگاہیں ہیں۔ کشمیر اور پنجاب کے دیگر تجارتی شہروں سے اس کا قریبی رابطہ ہے۔ سیالکوٹ تاریخی، ثقافتی، سماجی، تہذیبی، علمی اور ادبی لحاظ سے لاہور اور دوسرے ادبی، ثقافتی، تہذیبی، تاریخی اور علمی شہروں سے کسی طور پر بھی کم نہیں۔ اس شہر کی ثقافت توانائی اور رنگا رنگی لیے ہوئے ہے۔ یہاں کے میلے ٹھیلے، روایتی تہوار اور دیگر ثقافتی سرگرمیاں اس خطے کو ہمیشہ ممتاز کرتی رہی ہیں۔ ڈاکٹر وحید قریشی سیالکوٹ کے ادبی ماحول کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> ''دینی کے علاوہ ادبی لحاظ سے بھی سیالکوٹ کی شعری روایت اہمیت رکھتی ہے۔ داغ دہلوی کے کئی شاگرد سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ اقبال، محمد الدین فوق، امین حزیں، اثر صہبائی، عبدالحمید عرفانی ایک مستحکم شعری روایت کے امانت دار تھے۔ پسرور میں عبداللطیف تپش نے جوت جگائی تھی اس میں فاخر ہریانوی اور محمد ضیا احمد کا نام اس کے علاوہ ہے۔ طفیل ہوشیارپوری

☆ پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا
☆☆ لیکچرار، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

کے بھائی یعقوب کے قیام کی وجہ سے طفیل ہوشیار پوری کا مسکن بھی سیالکوٹ ہی بنا رہا۔ پھرا صغر سودائی اور مجید تاثیر کے نام آتے ہیں۔ اس سے اگلی نسل میں جابر علی سید اور کرشن موہن اور محمد خان کلیم کی شعری تربیت گاہ یہی سیالکوٹ کی نگری تھی۔''(۱)

دیگر فنون کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی سیالکوٹ کسی شہر سے پیچھے نہیں رہا۔ اقبال کے ہم عصر شاعر شجر طہرانی کا تعلق بھی سیالکوٹ سے تھا۔ آپ کی شاعری پر غالب، داغ اور اقبال کے اثرات کو دیکھا جا سکتا ہے۔ جب آپ میڈیکل کالج لکھنؤ میں طالب علم تھے تو اُسی دور میں آپ کو حضرت داغ دہلوی کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ اس دور میں انہوں نے باقاعدہ ادبی زندگی کا آغاز کیا۔ شجر اپنا کلام داغ دہلوی کو دکھایا کرتے تھے۔(۲)

شجر نے 80 سال متحرک ادبی زندگی گذاری اور تقریباً ایک لاکھ شعر کہے۔ آج ان کے رشتہ داروں کے پاس ۲۲ مسودے محفوظ ہیں لیکن ان کے اکثر مسودے نایاب ہیں اور گُم ہو گئے ہیں۔ شجر کا پہلا مجموعہ ''صبر جمیل'' (مثنوی) ۱۸ راگست ۱۹۲۸ء کو شائع ہوا۔ دوسرا شعری مجموعہ ''زبان فطرت'' نظموں پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۲۹ء کو شائع ہوا۔ شجر نے اس مجموعے میں خاور گل، نسیم و بہار، شام و سحر، روز وشب، نور وزظلمات کے تعلق اور الفاظ سے واقعات عالم اور فنا و بقا کے مسائل کو دلچسپ اور دلآویز پیرائے میں حل فرمایا ہے۔ ''جہاں گرد'' شجر کا تیسرا شعری مجموعہ ہے جو توحید ورسالت، اخلاقیات، نفسیات، تجلیات، شخصیات، اعمال، وطنیت اور عید کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

مولانا ظفر علی خان کو بھی شجر کی طرح حیدر آباد میں داغ دہلوی کی صحبت میسر آئی لیکن علامہ شبلی نعمانی کی نصیحت پر داغ کا رنگ اختیار نہ کیا۔ شعر وشاعری کے ساتھ ساتھ آپ ایک بے باک اور نڈر صحافی بھی تھے آپ نے ''زمیندار'' اور ''ستارہ صبح'' کے علاوہ بہت زیادہ اخبارات ورسائل نکالے جن کی شہرت سارے برصغیر میں پھیلی۔ ظفر علی خان کا پہلا مجموعہ ''بہارستان'' کے نام سے ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا۔(۳) اس میں اُن کا ابتدائی اُردو اور فارسی کلام ہے۔ ترتیب کے اعتبار سے یہ مجموعہ حسب ذیل طریقہ پر مرتب کیا گیا ہے۔

حمد باری تعالیٰ، نعت، اسلام، اسلامی روایات، ستارہ صبح کے دور کی نظمیں، نوحے اور مرثیے۔

دوسرا مجموعہ نگارستان ہے۔ اس مجموعہ کلام میں سیاسی وفلسفیانہ شاعری طنزیہ نگاری اور صحافتی شاعری کے ساتھ ساتھ ادبی مرصع کاری کے شاہکار بھی نظر آتے ہیں۔ تیسرے مجموعے ''چمنستان'' میں اہم ترین نظمیں اور قطعات ہیں جن کی اہمیت سیاسی، اسلامی اور معاشرتی لحاظ سے ہے۔(۴)

چوتھا مجموعہ کلام ''خیالستان'' ہے جو سیاسی وادبی غزلوں کے علاوہ نعت پر مشتمل ہے۔ پانچواں

مجموعہ ''حبسیات'' نظر بندی اور اسیری کے دوران مکمل ہوا۔ اس مجموعہ میں حمد، نعت، اخلاق، سلف صالحین، اخلاق مرتضوی، انسان کی آزادی، اسلامی تصور، صلیب و ہلال کی آویزش، ایمان کی شناخت، برطانوی سیاست پر چوٹیں جیسے ''آزادی کابل''، ''تخت یا تختہ''، ''کلیسا سے عیسوی'' اور ''گاندھی'' اہم نظمیں وقطعات ہیں۔ چھٹا مجموعہ ''ارمغان قادیاں'' ہے جو قادیانیت کے خلاف نظموں پر مشتمل ہے۔

فنی لحاظ سے ظفر علی خان نے غزل اور قطعے کی ہیئت کو زیادہ تر اختیار کیا ہے۔ جس میں مطلع مقطع اور ردیف وقافیے کا التزام غزل، قطعے یا قصیدے کی طرح ہے۔ ظفر علی خان کی بے کیف غزلوں کو حسن و عشق کے معاملات سے کوئی طبعی مناسبت نہ تھی کیونکہ وہ کوچہ ہوا وہوس سے دور رہے۔ کوئی موضوع ہو کوئی اسلوب وہ ہر جگہ قادر الکلام تھے۔ اُن کے ہاں آمد ہی آمد ہے آورد کو دخل نہیں۔ وہ بدیہہ گو شاعر تھے۔ قافیہ ردیف پر انہیں بڑی قدرت تھی مگر وہ محض قافیہ پیمائی نہیں کرتے۔ تشبیہ، استعارہ، تلمیح، تمثیل وغیرہ شعری صنائع بدائع ان کے ہاں التزاماً نہیں آتے بلکہ بحر اس سخن کی روانی میں خود بخود بہتے چلے آتے ہیں۔ انہیں خود بھی اپنے فن پر دعویٰ ہے۔

مبرّا ہے کلام آورد کے اسقام سے میرا
مرے اشعار کی آمد میں دریا کی روانی ہے

امین حزیں سیالکوٹی کو مولوی میر حسن جیسے اُستاد اور عربی و فارسی کے عالم سے مادر علمی حضرت اقبالؒ میں اکتساب فیض کا موقع ملا۔ اُن کی تربیت نے اُن کے شعور کو اجاگر کیا اور ان کی باطنی صلاحیتوں کو چار چاند لگا دیئے۔

امین حزیں کے تین شعری مجموعے ''گلبانگِ حیات''، ''نوائے سروش'' اور ''سرودِ سرمدی'' الفیصل ناشران وتاجران لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ امین حزیں کی شاعری کے آٹھ مسودے ابھی تک شائع نہیں ہو سکے جو اُن کے عزیز واقارب کے پاس موجود ہیں۔ امین حزیں ایک مشاق اور قادر الکلام سخن ور تھے۔ انہوں نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اُن کی نظموں میں مفکرانہ انداز، بلندی نظر، وحدت فکر اور رفعت تخیل کا عمدہ تناسب وتوازن ملتا ہے۔ آپ نے زیادہ تر اخلاقی، قومی اور ملی موضوعات کو اپنی شاعری میں پیش کیا۔ ہر بڑے شاعر کی طرح امین حزیں بھی فطرت کے شائق ہیں۔ ان کی نظر قدرت کے مختلف مناظر کو پسند کرتی ہے اور اُن کے حسن سے متاثر ہوتی ہے۔ بقول حبیب کیفوی:

> ''امین حزیں کی زندگی کی تینتیس بہاریں کشمیر اور گلگت کی گل بیز وگل ریز وادیوں میں بسر ہوئی تھیں۔ فطرت کے دلآویز مناظر ہر وقت اُن کے سامنے رہے تھے اور وہ اُن سے لطف اندوز بھی ہوتے رہے تھے۔ اس لیے یہ ممکن نہ تھا کہ رنگین نظاروں کی عکاسی نہ کرتے۔''(۵)

اُن کی بہت سی نظموں میں حسین مناظر کی دلکش تصویر کشی موجود ہے۔ ''کوہستان قراقرم کی

ایک وادی''، ''کشمیر کی صبح بہار'' اور ''حسن کی رُت'' دادطلب نظمیں ہیں۔ ان نظموں کے علاوہ ''گلبانگِ حیات'' اور ''سرود سرمدی'' میں شامل ان کی متعدد نظمیں فطرت سے اُن کے لگاؤ اور دل بستگی کی غماز ہیں۔

امین حزیں کی طبیعت پر غالب رنگ اقبال کا تھا مگر اس کے باوجود انہوں نے بعد میں اپنے لیے اقلیم سخن میں نئی راہیں بھی تلاش کیں اور نئے افکار سے بھی اپنے اشعار کو مزین کیا جس سے اُن کے شاعرانہ کمال اور ناموری میں اضافہ ہوا۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

تڑپ تڑپ کے گزاری تو کیا! گزر تو گئی! ہوئی نہ جیت تو کیا! اپنی شرط ہر تو گئی!
سکون مل نہ سکا گو پہنچ کے منزل پر وہ آئے دن کی مگر زحمت سفر تو گئی! (۶)

امین حزیں سیالکوٹی کے ایک ہم عصر شاعر سید صادق حسین تھے۔ اُن کا ایک مجموعہ کلام ''برگ سبز'' کے نام سے ۱۹۷۷ء کو شائع ہوا۔ اُن کا ایک شعر جس کی وجہ سے انہیں شہرت ملی، بعض حضرات علامہ اقبالؒ سے منسوب کرتے ہیں۔ یہ شعر اُن کے شعری مجموعے ''برگ سبز'' کی ایک غزل میں موجود ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لیے (۷)

خواجہ عبدالسمیع پال نے اثر صہبائی کے نام سے شہرت پائی جو امین حزیں سیالکوٹی کے حقیقی بھائی تھے۔ اثر صہبائی برصغیر کے صف اول کے شعرا میں سے تھے جن کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف اکثر ناقدین نے کیا ہے۔ شروع میں شعری اظہار کے لیے انہوں نے رباعیات اور قطعات کو وسیلہ بنایا اور ان اصناف سخن پر اتنا عبور حاصل کرلیا کہ وہ خیام العصر مشہور ہو گئے۔ اپنی رباعیات اور قطعات میں انہوں نے انسانی مسائل اور فلسفیانہ نکات کو عمدگی اور خوبی سے بیان کیا ہے۔ اُن کی رباعیات اور قطعات کے مجموعے ''جام طہور'' اور ''جام صہبائی'' کے ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ''خمستان'' ان کی غزلوں، نظموں اور رباعیات کا پہلا مجموعہ ہے۔ جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۳ء میں آزاد بک ڈپو سیالکوٹ سے شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ''راحت کدہ'' بھی شامل تھا لیکن بعد میں ''راحت کدہ'' علیحدہ شعری کلام کی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ پانچواں شعری مجموعہ ''روح صہبائی'' کے نام سے راج محل پبلشرز جموں سے شائع ہوا۔ ''بام رفعت'' اُن کا چھٹا شعری مجموعہ ہے۔ ابھی اُن کے کلام کے کئی مجموعے مسودوں کی صورت میں ہیں جنہیں وہ اپنی زندگی میں طبع نہ کرا سکے۔ (۸)

''سرود سفر'' نظم اُن کی قومی شاعری کا ایک نمونہ ہے۔ اثر صہبائی کی زندگی کا آخری دور مدحت رسولؐ سے شروع ہو کر اس پر ختم ہو جاتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

وہ میر قافلۂ رہروان جادۂ عشق وہ صدر محفل ہستی محمد عربی
اسی کے فیض سے ذرے بھی برق پارے ہیں اسی کے عشق میں سرشار چاند تارے ہیں (۹)

فاخر ہریانوی نے شاعری کا آغاز چودہ برس کی عمر میں کیا۔ شاعری میں وہ حفیظ جالندھری کی معاونت کے بہت معترف ہیں۔ آپ کہتے تھے کہ وہ میرے اُستاد ہیں اور میری شعری تربیت میں اُن کا خاصہ حصہ ہے۔ فاخر کا کہنا ہے:

''حفیظ جالندھری نے نظم گوئی کی طرف مائل کیا۔ فاخر تخلص بھی حفیظ کا تجویز کردہ ہی۔''(۱۰)

فاخر بنیادی طور پر نظم گو شاعر ہیں۔ اُن کا اپنا دور بھی نظم گو شاعروں کا دور تھا۔ اس لیے بھی اس دور میں فاخر کو مقبولیت حاصل تھی۔ فاخر بہت اچھے شاعر ہیں لیکن نقادوں کی توجہ ان کی طرف مبذول نہ ہوسکی۔ اپنے دور میں اُن کا نام خاصا نمایاں تھا۔ فاخر کی شاعری میں سب سے زیادہ فطرت سے لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر انہیں شاعر فطرت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ان کی رومانویت کے بارے میں احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں:

''فاخر ہریانوی یقیناً رومانیت کے نمائندے ہیں۔ انسانی مسائل ہوں یا مناظر فطرت اُن کا نقطہ نظر ہمیشہ رومانوی ہی رہا ہے۔''(۱۱)

پُرخلوص گفتار اور تخیل کی طراوت کا احساس اُس وقت ہوتا ہے جب وہ مناظر فطرت کا بیان کرتے ہیں۔ مناظر کے بیان سے فاخر کو بہت دلچسپی ہے۔ اس حوالے سے اُن کی نظم ''شام'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ اس نظم میں انہوں نے شام کے منظر کے حسن کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ہے طلسم جزر و مد سے بے خبر سینہ ترا　　صاف ہے روئے سحر کی طرح آئینہ ترا
بہہ رہا ہے اس طرح پانی خرام ساز سے　　ہلکے ہلکے جس طرح پیدا ہوں نغمے ساز سے (۱۲)

خواجہ عبدالحمید عرفانی سکول کے زمانے میں مولانا حالی اور مرزا غالب سے حد درجہ متاثر تھے۔ عرفانی کی قومی موضوعات پر لکھی گئی نظموں میں حالی کا انداز نظر آتا ہے۔ انہوں نے غالب کی زمینوں میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ ڈاکٹر عرفانی کی ''کلیات عرفانی'' میں غزلیات، مانو لاگ کے تراجم، مکالمے اور قومی نظموں کے متفرق اشعار شامل ہیں۔ ڈاکٹر عرفانی کی اکثر غزلیں چھوٹی بحروں میں ہیں۔ اُن کی غزل میں عارفانہ رنگ غالب نظر آتا ہے اس حوالے سے رخشندہ نسیم لکھتی ہیں:

''اُن (عرفانی) کے کلام میں جگہ جگہ عارفانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ کلام میں اتنی تاثیر ہے کہ ہر شخص کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔''(۱۳)

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

ساقی نوید رونق فصل بہار کیا　　ناحق نمک چھڑکتا ہے زخموں پہ یار کیا
اپنے تصورات کی دنیا وہی رہی　　پھر انقلاب گردش لیل و نہار کیا(۱۴)

عظیم شاعر فیض احمد فیض کی شاعری میں شہرت نہ صرف ملکی سطح پر ہے۔ بلکہ ترقی پسند تحریک

سے تعلق اور عالمگیر فکر کی وجہ سے فیض دیگر ممالک میں بھی جانے پہچانے جاتے ہیں۔

فیض نے اپنی شاعری میں علامتوں کے انفرادی اور اجتماعی مفہوم کو اکٹھا کر دیا ہے۔ آپ نے استحصالی طبقے کے لیے واعظ، شیخ محتسب، ناصح، مدعی، عدو، اہل ستم، صیاد، گل چیں، اہل ہوس، اغیار، رہزن، فقیہہ شہر، اہل حرم، قاتل اور جلاد جیسی علامتیں استعمال کی ہیں۔ پرانی علامتوں کو نئے مفاہیم عطا کیے اور کئی نئی علامتیں بھی تخلیق کی ہیں۔ جمالیاتی سحر کا سماں پیدا کرنے کے لیے سحر لہو، دیدۂ تر، فصل گل، مے خانہ اور صبح سخن جیسی علامتیں تخلیق کی ہیں۔ فیض نے اپنی شاعری میں اعلیٰ فکر کے ساتھ ساتھ فنی تقاضوں کو بھی مدنظر رکھا۔ فیض کا فن تاریخی شعور کی مدد سے زندگی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے۔ احمد ندیم قاسمی اپنے ایک مضمون میں فیض کے فن کے حوالے سے یوں رقمطراز ہیں:

> ''فیض زندگی کا نباض ہے۔ اس کا فن کسی تاریخی شعور کی مدد سے زندگی کے ارتقائی رخ یعنی اس کے نامیہ رجحان کے ساتھ ساتھ چلتا ہے بلکہ بعض اوقات اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ زندگی اور انسان کا ارتقا اور ارتفاع ہی ہمیشہ اس کا مرکزی نظریہ رہا ہے۔''(۱۵)

مجید احمد تاثیر کی نظم میں جوش کی قدرت زبان اور اختر شیرانی کی رومان پسندی دونوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ تاثیر صاف ستھری رباعی کہنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ رباعی بہت مشکل فن ہے۔ اُن کا مجموعہ بعنوان ''رباعیات تاثیر'' چھپ چکا ہے۔ آپ اپنے دور کے ہر بڑے شاعر اور شاعری کی تحریک سے متاثر تھے۔ آپ نے اپنے کلام میں اپنے دور کی نمایاں شعری روایات کو اپنانے کے ساتھ انہیں زندہ رکھا ہے اور یہ اُن کا بڑا کارنامہ ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

تیرے رخ روشن کی ضیا ہو جاؤں
تیرے لب نازک کی صدا ہو جاؤں
تیری ہے تلاش مجھ کو اے قلزم حسن
جی چاہتا ہے، تجھ میں فنا ہو جاؤں(۱۶)

محمد طفیل نام اور شہرت طفیل ہوشیار پوری کے نام سے ہوئی۔ ''میرے محبوب وطن''، طفیل کے ملی نغمات پر مشتمل پہلی شعری کتاب ہے۔ طفیل کا ناطہ فلمی دنیا سے بھی رہا اور انہوں نے فلموں کے لیے اُردو اور پنجابی میں اڑھائی سو کے قریب گیت لکھے۔ دوسری کتاب ''جام مہتاب'' ہے جو قطعات و رباعیات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔ ''ساغر خورشید''، ''شعلہ جام'' اور ''تجدید شکوہ'' غزلوں اور نظموں پر مشتمل تین شعری مجموعے ہیں۔ ''رحمت یزدان''، طفیل کا نعتیہ مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔(۱۷)

طفیل کی شاعری میں موضوعات اور فن کے اعتبار سے وہ سب کچھ موجود ہے جو اچھی شاعری میں ہونا چاہیے۔ طفیل نے روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے حسن و عشق کے معاملات کا اظہار بڑے خوبصورت

اور پاکیزہ انداز میں کیا ہے۔ اُن کے ہاں حسن سے زیادہ عرفان حسن ملتا ہے۔ طفیل کی شاعری کا سب سے بڑا اور پھیلا ہوا موضوع غم وحوادث ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری اور خصوصاً غزلوں میں اپنے ذاتی غم و آلام کو دل کھول کر بیان کیا ہے۔ یادوں اور ماضی کے حوالے سے طفیل نے آنسوؤں کا بہت ذکر کیا ہے۔ معاشرے میں موجود طبقاتی تضاد بھی طفیل کی نگاہ میں بہت کھٹکتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

رقص جذبات کی لے ، شعلہ آواز کا رنگ
اب تک آنکھوں میں ہے اس جلوہ گہ ناز کا رنگ
تیرے عارض پہ جھلکتا ہے حیا کی صورت
میرے احساس ، تری شوخیٔ انداز کا رنگ(۱۸)

تاب اسلم سکول کے زمانے میں سیالکوٹ کی مقامی ادبی تنظیموں اور مشاعروں میں باقاعدگی سے ایک سامع کی حیثیت سے شرکت کرتے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں اُن کی پہلی نظم ''ادبِ لطیف'' میں مرزا ادیب نے شامل کی۔ ابتدائی شاعری میں سادگی اور معصومیت نظر آتی ہے۔ آپ کا کلام ''فردوس ادب''، ''اوراق''، ''افکار''، ''لیل ونہار''، ''امروز''، ''مشرق''، ''ادبی دنیا''، ''ادبِ لطیف''، ''ہمایوں''، ''نیرنگِ خیال''، ''فنون'' اور ''ساقی'' میں شائع ہوتا رہا۔ ۱۹۶۵ء میں سیالکوٹ کی فضا قومی وملی احساسات سے پُر تھی۔ آپ نے بھی قومی وملی نظمیں لکھیں۔

تاب نے اپنی شاعری میں علامتوں کو بھی خوبصورت انداز میں استعمال کیا ہے۔ تہذیب کے اندر جھانکنے کے لیے تاب کی شاعری میں دو بنیادی علامتیں سامنے آتی ہیں۔ حبس اور برف کی علامتوں کو تاب نے نئے انسان کے بنیادی مسئلہ رہائی کے حوالے سے برتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمایئے:

برف میں محصور موسم کو حرارت کون دے
حبس اتنا تھا کہ دم گھٹنے لگا تاب اسلم
شہر ہوں برف کی اندھی سلوں میں رہتا ہوں
یہ زندگی بھی تو برف کا اک مکان ٹھہرا(۱۹)

آپ نے اُردو میں بعض بحروں کو روشناس کروایا جن کا پہلے سے اُردو میں رواج نہیں تھا۔ آپ شروع سے ہی مشکل پسند تھے۔ مشکل کام کر کے انہیں خوشی ہوتی تھی۔ اسی سبب سے انہوں نے غزلوں میں نوع بہ نوع تجربے کیے۔ نئے الفاظ، نئے محاورے اور نئی ترکیبیں استعمال کیں۔ اُن کی غزلوں میں اُن کی شخصیت کی بہت سی داخلی کیفیات اور ان کے شعور ولاشعور میں اُٹھنے والے ہنگاموں اور طوفانوں کا پتہ چل جاتا ہے۔ اُن کا کلام حسن صوری اور جمال معنوی کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

سیّد سبط علی صبا کی شاعری اپنا مواد سرزمین وطن، اس کی عسکری روایات اور اسلامی عسکری تاریخ سے حاصل کرتی ہے۔

صبا کا شعری مجموعہ ''طشت مراد'' مجلس تصنیف وتالیف واہ کینٹ نے شائع کیا۔ اُن کا کلام ''فنون''، ''ہماری زبان'' دہلی ''ماہ نو'' اور ''واہ کاریگر'' میں شائع ہوتا رہا۔ سبط علی صبا کی غزلوں کو اگر زمانی ترتیب سے دیکھا جائے تو ان میں سب سے پہلا موضوع ایوبی آمریت ہے۔ زنداں سلاسل، تیرگی اور دار و رسن جیسے امیجز کا استعمال اُس دور میں عام نظر آتا ہے۔ اپنی غزل میں اس سلسلے میں انہوں نے ہمیشہ بلند بانگ لہجہ اختیار کیا۔

قدم قدم پر کرو اہتمام دار و رسن
رواں ہے قافلہ شوق امتحاں کے لیے

صبا نے غزل کے ساتھ ساتھ سرزمین وطن، شہدائے کربلا اور قومی رہنماؤں سے والہانہ عقیدت کے واضح اظہار کے لیے اپنی مختصر زندگی میں متعدد نظمیں بھی کہیں۔ ان نظموں میں سے اکثر اہم قومی مواقع پر کہی گئیں جو نہ صرف اپنا ایک فکری وفنی معیار رکھتی ہیں بلکہ اس اعتبار سے بھی منفرد ہیں کہ ان میں ایک ''مسلمان سپاہی شاعر'' کا باطنی پیکر اپنے واضح خطوط کے ساتھ جلوہ گر ہو رہا ہے۔ صبا کی ان میں سے نمایاں نظموں کے عنوانات ''زخم''، ''سلام آنے لگا''، ہم جاگ رہے ہیں''، ''راہ میں دیوار نہ بن''، ''نئی حیات''، ''عید محرومی''، ''روشنی عمل''، ''گواہ رہنا'' پرچم شبیر دیکھ''، ''۱۴راگست'' اور ''وہ ایک شاعر'' ہیں۔ ان میں چند ایک پابند اور باقی آزاد نظمیں ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

صبح آئی لہو میں ڈوبی ہوئی
شام کا رنگ جانے کیا ہو گا
اب نہ جاگے تو موسم گل کا
قافلہ دور جا چکا ہو گا[۲۰]

اصغر سودائی بنیادی طور پر غزل گو شاعر ہیں۔ انہوں نے نعتیں بھی کافی تعداد میں لکھی ہیں۔ بطور نعت گو وہ اُردو شاعری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ آپ نے پاکستان کو ''نعرہ ء پاکستان'' دیا جو آپ کے ایک ترانے میں موجود ہے۔ آپ کا پہلا شعری مجموعہ ''شہِ دوسرا'' بزم رومی واقبال نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ دوسرا شعری مجموعہ ''چلن صبا کی طرح''، صدیقی پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔ ''کرن صدا کی طرح''، اصغر کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔[۲۱]

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

دنیا کے اک اک گوشے میں تیرا نور ظہور
غارِ حرا ہو، کوہِ صفا ہو، یا منزل طور
ہم ہیں تیرے عاصی بندے تو ہے بخشنہار
تو رحمان رحیم ہے مولا تو ستار غفور[۲۲]

رشید آفریں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اُن کا شعری کلام ''ادبِ لطیف''، ''ادبی دنیا''، ماہنامہ ''ماہِ نو'' لاہور ''اقدار'' کراچی، ہفت روزہ ''برمنگھم'' برطانیہ اور ''اوراق'' لاہور میں شائع ہوتا رہا۔ آپ کے چار شعری مجموعے ''وجہ آفریں''، ''دست ساحل''، ''دامن احساس''، اور ''فخر دو عالم'' شائع ہو چکے ہیں۔ (۲۳)

جگن ناتھ آزاد رشید آفریں کی غزل کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''رشید آفریں کی غزل کلاسیکی غزل اور نئی غزل کا حسین امتزاج ہے۔ اس میں نئے خیالات کی تازگی ہے اور کلاسیکی لے کا آہنگ بھی۔''(۲۴)

رشید آفریں کی غزل میں اُن کا ماضی اور ماضی کی یادیں ہر طرف بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ اُن کی غزل کچھ کھو جانے کا احساس، تلاش، جستجو اور بچھڑنے والوں کی یادوں سے مزین ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

یہ کیا مقام ہے حیراں ہوں سحر ہے کہ فسوں
کسی کا سر ہے قلم اور کسی کا سر ہے نگوں
کبھی اُفق پہ یہ خورشید بن کے چمکے گا
ردائے وقت پہ ٹپکا ہے جو حیات کا خوں(۲۵)

احسان اللہ ثاقب کا اُردو ادب میں بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اولین مجموعہ کلام ''شہرِ غزل'' میں بیس بحور کے چھیاسی اوزان میں بڑی خوبصورتی سے طبع آزمائی کی ہے۔ آج اردو شاعری میں کوئی بھی قد آور شاعر اتنی تعداد میں بحور اور اوزان میں شعر نہیں کہہ سکا۔ مزید یہ کہ انہوں نے ایک نئی بحر کا اضافہ بھی کیا ہے اور ''اسے بحر مترنم'' کا نام دیا ہے۔

ریاض حسین چودھری نے نعت کے ساتھ ساتھ دیگر اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن اُن کی پہچان صرف اور صرف نعت گو شاعر کے طور پر ہی ہے۔ آپ نے نعتیہ شاعری کو آزاد اور پابند نظموں کے وسیع امکانات کے ذریعے نئے آفاق دکھائے ہیں اور غزلیہ انداز کی نعتوں کو جدید اسالیب سے ہم آہنگ کر کے بنیادو وقار عطا کیا ہے۔

ریاض حسین چودھری کی نعت کے تمام استعاروں کا خمیر دین و آئین رسالتؐ کے ساتھ ساتھ، عہد جدید کے معتبر حوالوں سے اُٹھا ہے اور اُن میں تقدس بھی ہے اور تازہ کاری بھی۔ اُس کا اسلوب اُردو شاعری کی تمام تر جمالیات سے مستیز ہے اور اسے جدت و شائستگی کا معیار دیا جا سکتا ہے۔ (۲۶)

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

جن کے سینے پر فروزاں اُنؐ کے ہیں نقش قدم
ایک دیوانہ مدینے کی انہی گلیوں میں تھا

ڈھونڈتا پھرتا تھا میں نقشِ کفِ پائے حضورؐ
اک عجب سا کیف میرے مضطرب سجدوں میں تھا(۲۷)

یوسف نیر نے متنوع اصناف سخن میں شعر کہے ہیں لیکن غزل آپ کی محبوب صنفِ سخن ہے۔ نیر کی غزل اور نظم میں فن محاسن کا بھی خوبصورت استعمال ہے۔ آپ سیدھے سادے بیانیہ اسلوب میں اپنے تجربات ومشاہدات بیان کرتے ہیں۔ اور سادہ دلوں پر اثر کرنے والی زبان استعمال کرتے ہیں۔ اُردو غزل کو نئے تجربات اور اسالیب سے آشنا کرنے والے شعرا میں یوسف نیر کا نام سرفہرست ہے۔ آپ نے حسن وعشق اور جنسی تجربات کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے لیکن روایتی شعرا کی طرح گیسو، لب و رخسار میں گم رہتے نظر نہیں آتے۔ عدیم ہاشمی یوسف نیر کے اسلوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اُردو غزل نے جس جدت کے ساتھ پچاس کی دہائی کے آخر اور ساٹھ کی دہائی کی ابتدا میں آنکھیں جھپکیں، جس ڈکشن اور جس اسلوب نے اردو غزل کو پرانی غزل سے علیحدہ کر کے نئی جدید غزل کا پیراہن پہنایا۔ یوسف نیرؔ کی غزل اسی جدید غزل کی نمائندگی کرتی ہے۔''(۲۸)

صابر ظفر جدید غزل گو شاعر ہیں۔ اُن کے ہاں جبر کے خلاف شدید تلخی پائی جاتی ہے اور انصاف کشی پر انہیں طیش آتا ہے۔ صابر ظفر نے اپنی غزل میں داخلیت اور خارجیت کی پرانی بحث کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ داخلیت خارجیت سے متاثر ہوتی ہے اور خارجیت کے بغیر بلاغت سے محروم رہ جاتی ہے۔ آپ نے اپنی غزل میں حقائق حیات کی ترجمانی کی ہے۔ صابر ظفر تخیل کے ریلے میں تعقل سے کبھی دست کش نہیں رہتا۔ وہ خارجی آنکھ کھولے رکھتا ہے تا کہ اس کی باطنی آنکھ کی بصارت دھندلا نہ جائے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

صورت مرگ فقط راہ کی ٹھوکر نکلی
زندگی تو مرے اندازے سے کم تر نکلی
آتش کبر نکلتی ہی نہ تھی دل سے ظفرؔ
چوب منبر کو جلایا تو یہ کافر نکلی(۲۹)

مذکورہ بالا شعرا کی شاعری کے تحقیقی وتنقیدی جائزے کے بعد میری رائے یہ ہے کہ سیالکوٹ کی اُردو شاعری عالمی اُردو شاعری کے ہم پلہ ہے۔ سیالکوٹ کی شاعری کے اپنے موضوعات اور اسالیب بھی ہیں اور عالمی اُردو شاعری کے موضوعات اور اسالیب کو بھی سیالکوٹ کی شاعری میں دیکھا جا سکتا ہے۔ سیالکوٹ کی شاعری پر دبستان دہلی اور لاہور کی شعری روایت کے اثرات بھی رہے ہیں۔ قیامِ پاکستان سے پہلے یہاں کے شعرا نے دہلوی شعری روایت کے اثرات کو قبول کیا اگرچہ قیام پاکستان کے بعد ان پر لاہور کی شعری روایت کے اثرات رہے ہیں۔ تاہم ان اثرات کے باوجود سیالکوٹ کی شاعری کا

اپنا مزاج بھی ہے۔ سیالکوٹ کی شاعری پر کشمیر کے حالات و واقعات کے اثرات کے ساتھ ساتھ تقسیم ہند کے بھی اثرات رہے۔ ادبی، سیاسی اور مذہبی تحریکوں نے بھی یہاں کی شاعری کو متاثر کیا۔

حوالہ جات

۱۔ وحید قریشی، پیش لفظ، مشمولہ: باقیاتِ تاثیر از مجید احمد تاثیر، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۵، ۶

۲۔ نوحی بریلوی بحوالہ: یوسف رحمت، عبد النبی شجر طہرانی۔ شخصیت اور شاعری، مقالہ برائے ایم۔ فل اردو (غیر مطبوعہ)، اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، ۱۹۹۳ء، ص: ۱۲

۳۔ نظیر حسین زیدی، ڈاکٹر، ظفر علی خان کی شعری تصانیف، مطبوعہ: چناب میگزین، سیالکوٹ: گورنمنٹ ڈگری کالج وزیر آباد، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۳۲

۴۔ ایضاً، ص: ۱۳۵

۵۔ حبیب کیفوی، امین حزیں۔ عبد السمیع پال، مشمولہ: اقبال ریویو، ص: ۷۰

۶۔ امینِ حزیں، سرودِ سرمدی، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۶ء، ص: ۱۱

۷۔ صادق حسین، برگِ سبز، لاہور: فیروز سنز، ۱۹۷۷ء، ص: ۶۱

۸۔ حبیب کیفوی، کشمیر میں اُردو، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، بار اول، ۱۹۷۹ء، ص: ۲۱۳، ۲۱۹

۹۔ اثر صہبائی، بحضورِ سرورِ کائنات، لاہور: انجمن حمایت اسلام، ۱۹۶۰ء، ص ۱۵

۱۰۔ ضیا محمد ضیا بحوالہ: افشین عظیم، فاخر ہریانوی، مقالہ برائے ایم۔اے اردو (غیر مطبوعہ)، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۴ء، ص: ۶۵

۱۱۔ احمد ندیم قاسمی بحوالہ: افشین عظیم، فاخر ہریانوی، ص: ۴۷

۱۲۔ فاخر ہریانوی، موجِ صبا، لاہور، ایوانِ ادب، ۱۹۶۶ء، ص ۴۸

۱۳۔ رخشہ نسیم، سیالکوٹ میں اُردو شاعری (بیسویں صدی کے دوران)، مقالہ برائے ایم اے اردو، ۱۹۷۹ء، ص: ۵۷

۱۴۔ عبد الحمید عرفانی، کلیاتِ عرفانی (زیرِ طبع)

۱۵۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، فیض کی تخلیقی شخصیت، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۹ء، ص: ۱۷

۱۶۔ مجید احمد تاثیر، باقیاتِ تاثیر، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، صفحہ ۳۳

۱۷۔ زاہدہ پروین رضوی، طفیل ہوشیار پوری، مقالہ برائے ایم اے اردو، لاہور: اورینٹل کالج جامع پنجاب، ۱۹۸۸ء، ص-۱۰۸

۱۸۔ طفیل ہوشیار پوری، شعلہ جام، لاہور: فنون پریس، ۱۹۷۸ء، ص ۳۵

۱۹۔ زوبیہ چوہدری، تاب اسلم شخصیت اور شاعری، مقالہ برائے ایم۔اے اردو، لاہور: ۲۰۰۴ء، ص: ۱۲

۲۰۔ سبطِ علی صبا، طشت مراد، واہ کینٹ: مجلس تصنیف و تالیف، ۱۹۸۶ء ص ۵۱

۲۱۔ رضوانہ کوثر، اصغر سودائی۔فن اور شخصیت، مقالہ برائے ایم۔اے اردو، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۹۷ء، ص:۹

۲۲۔ ایضاً، ص: ۹۳

۲۳۔ اصغر سودائی، شہ ِدوسرا، سیالکوٹ: بزمِ رومی و اقبال، ۱۹۸۹ء، ص ۲۵

۲۴۔ جگن ناتھ آزاد (فلیپ)، دستِ ساحل، از رشید آفریں

۲۵۔ رشید آفریں، وجہِ آفریں، سیالکوٹ: مکتبہِ فردوس، ۱۹۷۳ء، ص ۱۷

۲۶۔ حفیظ تائب، پیشوائی، مشمولہ: زرمعتبر از ریاض حسین چوہدری، لاہور: خزینہ علم و ادب، ستمبر ۲۰۰۰ء، ص: ۲۳

۲۷۔ ریاض حسین چودھری، رزق ثنا، لاہور: خزینہ علم وادب، ۲۰۰۰ء، ص ۵۲

۲۸۔ عدیم ہاشمی، (فلیپ)، روشنی کا پہلا دن از یوسف نیر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء

۲۹۔ صابر ظفر، محبت ہو نہیں پاتی، مرتبہ طاہر نظامی، لاہور، نگارشات پبلشرز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵